بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

"أفحكم الجاهلية يبغون ومن أحسن من الله حكما لقوم يوقنون "(القرآن)

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کے لیے ہے
حکمراں ہے فقط اک وہی باقی بتانِ آذری۔

جمہوریت سراب ہے

تالیف

علامہ عبد الغفار محمد ضامرانیؒ

ترتیب واضافات:

حافظ اسماعیل بن محمد ضامرانی

مسئول مکتبہ دار الہدیٰ ضامرانی بازار بلیدہ

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

info@muwahideen.tk

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

أن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ باالله من شرور أنفسنا وسيّاٰت أعمالنا من يهد ه الله فلا مضلّ له ومن يّضلل فلاهادی له ، وأشهدأن لااٰله الاالله وحده لاشريک له وأشهد أنّ محمدا عبده ورسوله :'' ياأيّهاالذين آمنوا اتقواالله حقّ تقاته ولاتموتنّ ألاّ وأنتم مسلمون .''(سورۃ آلِ عمران،آیت:۱۰۲)'' يـاأيّهـاالـنّا س اتّقوا ربّكم الذی خلقكم من نفس وّاحدة وخلق منها زوجها وبثّ منهمارجالاً كثيرا ونساء، واتّقوا لله الذی تساء لون بهٖ والأرحام أنّ الله كان عليكم رقيبا.'' (سورۃ نساء،آیت:۱) '' يـاأيّهـاالـذيـن آمـنـوا اتـقـواالـلـه وقـولـوا قـولاً سـديدا، يصلح لكم أعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ، من يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاعظيما.'' (سورۃ احزاب،آیت:۷۰،۷۱)

أمـابعد : فـانّ أصـدق الـحـديـث كتـاب الـلـه وأحسـن الهـدی هـدی محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها ' وكل محدثة بدعةوكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فی النّار.

(کتبِ سنن میں مروی یہ خطبۂ ''خـطبة الـحـاجة '' کے نام سے مشہور ہے،خطباء کی اکثریت اس (سنت) کو ترک کر چکی ہے،تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ البانی رحمہ اللہ کا اس عنوان پر رسالہ ''خطبة الحاجة '')

بندۂ عاجز کو ایک مؤقر مکتوب موصول ہوا جس میں مندرجہ ذیل مسائل کی بابت سوال کیا گیا۔

(۱) کیا قومی اسمبلی کی رکنیت حاصل کرنا' اور جمہوری نظام کے ماتحت سرکاری عہدہ قبول کرنا جائز ہے؟

(۲) نیز پارلیمنٹ کی رکنیت اور عام سرکاری عہدہ اگر دونوں ایک ہی نظام کے ماتحت ہوں تو کیا ان میں (باعتبارِ حکم) کوئی فرق پایا جاتا ہے کہ پہلے کو کفر جبکہ دوسرے کو جائز تصور کیا جائے؟

(۳) کیا لوگوں کا (جمہوری نظام کے تحت) ووٹ ڈالنا جائز ہے؟ یہ درحقیقت جس (امیدوار) کے حق میں ووٹ ڈالا گیا اس کے حق میں (عادل' منصف' اور مستحقِ اقتدار) ہونے کی گواہی نہیں!؟

(۴) ان حضرات سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو انتخابات میں شرکت کرنے اور اس (نظام) سے کسی قسم کے تعاون کو کفر گردانتے ہیں؟

(۵) بعض احباب نے موجودہ حالات کی نزاکت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے (جمہوری نظام کے) نامزد امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالنا جائز قرار دیا ہے۔جبکہ بعض دوسرے اسے کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔جواز کے قائل حضرات ''أخف الضررين '' اور ''أهون البليتين '' کے قاعدہ کلیہ سے استدلال کرتے ہیں۔(حاشیہ: **توضیح : مذکورہ بالا قاعدہ سے مراد یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی انسان کا بیک وقت دو مصیبتوں سے واسطہ پڑ جائے اور دونوں ہی شرعی نقطۂ نظر سے ناجائز تصور کی جاتی ہوں مگر ان دو سے ایک کا جرم' نقصان دوسری کے مقابلے میں کچھ کم ہو تو ''أخف الضرر '' یعنی کم نقصان کی چیز کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔)**

تو کیا ''أخف الضررين '' اور ''أهون البليتين '' کا شرعاً کوئی تصور موجود ہے؟

الجواب : یں اس مالکِ دو جہاں جس کے ہاتھ میں ہر قسم کی بھلائیاں ہیں کی توفیق سے کہتا ہوں:

''بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام علیٰ رسول الله۔''

قبل اس کے کہ مذکورہ بالا مسائل سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کروں میں چاہتا ہوں کہ ان مسائل کو سمجھنے کے لئے ذاتی نقطۂ نظر سے چند تمہیدی کلمات پیش کر دوں۔

تمام علماءِ اسلام اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جمہوری نظامِ حکومت جس کا شکار آج بیشتر اسلامی ممالک ہو چکے ہیں ایک (خالصتاً) کفری نظام ہے ۔تجربہ گواہ ہے کہ جو بھی اسلامی ملک اس جمہوری مرض میں مبتلا ہوا اسے اس سے خلاصی نہ مل سکی۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ اس نظام سے چھٹکارا ناممکن ہے ''رب کی رحمت سے ناامیدی کفر ہے'' لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ یہ انتہائی کہنہ مشق کام ہے۔ **اَلّا ماشاء اللہ**

جمہوری نظام درحقیقت شوگر کی بیماری کی مانند ہے جس کے جوڑوں میں بھی بیٹھ گیا وہ تاحیات اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔اس پر مستزاد بے شمار روحانی امراض اس مبتلائے مرگِ جمہوریت کا مقدر بنتے ہیں۔

چند مندرجہ ذیل ہیں۔

اوّل: جمہوری نظام اسلام کے بنیادی تصوّر ''حاکمیتِ الٰہی'' سے کلّی طور پر متصادم ہے۔

اس نظام میں حکومت کرنے' اور آئینی تشکیل ونفاذ کا حق صرف اور صرف قومی وصوبائی اسمبلیوں کو حاصل ہے۔ ذرا دیکھیئے ! جمہوریت نے کیسے اپنے پہلے ہی وار میں اہلِ ایمان کے دلوں سے (متاعِ حیات) توحیدِ حاکمیت چھین لی۔ جبکہ قرآنِ کریم میں توحیدِ حاکمیت کے منکرین ومعترضین سے قتل وقتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

قاتلوا الذین لا یؤمنون باالله ولا بالیوم الآخر ولا یحرّمون ماحرّم الله ورسوله ولا یدینون دین الحقّ من الذین أوتوالکتاب حتیّٰ یعطو الجزیة عن ید وهم صاغرون ''(سورۃ توبہ،آیت:۲۹)

ترجمہ:''ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے' نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں،ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔''

مذکورہ آیتِ کریمہ پر غور کرنے سے آپ کے سامنے یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ توحیدِ حاکمیت کے منکرین سے صلح کسی صورت ممکن نہیں۔ پارلیمنٹ کی رکنیت اختیار کرنا' اس میں (کسی طرح) شرکت کرنا' وہاں کے کارندوں سے میل جول رکھنا،مؤمن کے دل سے کفر اور کافروں سے متعلق موجود نفرت' عقیدۂ ولاء وبراء کے خاتمے کا سبب بنتا ہے۔اور مجھے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ''پارلمینٹ کی نمائندگی اختیار کرنا توحیدِ حاکمیت سے دستبردار ہونے کے مترادف نہ ہو۔'' اگرچہ منتخب نمائندہ،اور رکن اسمبلی بزبانِ خود اس چیز کا اظہار نہیں کرتا،اور نہ ہی پہلے پہل اس کا دل اس خیال سے مطمئن ہوتا ہے،لیکن محض شرکت ہی ایسا رنگ دکھاتی ہے کہ چند دنوں بعد یہی رکن اثر انداز ہونے کی بجائے اثر پذیر ہونے لگتا ہے۔

اسلام میں شارع (قانون ساز) صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے،حتّٰی کہ اس تشریع (قانون سازی) میں رسولوں (علیہم السلام) کو بھی کوئی دخل حاصل نہیں۔اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ رسول پیغمبرِ آخرالزماں (محمد ﷺ) سے متعلق فرمایا:'' **تنزیل من ربّ اللعالمین . ولو تقوّل علینا بعض الأقاویل . لأخذنا منه بالیمین . ثمّ لقطعنا منه الوتین** (سورۃ الحاقۃ،آیت:۴۳تا۴۶)

ترجمہ:''(یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے،اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنالیتا،تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔''

اس کے برعکس جمہوری نظام میں شارع (قانون ساز) کی حیثیت پارلیمنٹ کو دی جاتی ہے،یہ ایسا شرک نہیں جو ناواقف آدمی سے پوشیدہ رہے، بلکہ یہ تو صریح کفر اور دینِ اسلام کی اصولاً وفروعاً علانیہ تحریف ہے۔

جمہوری نظام میں ملوث ہونے والا کوئی امیدوار اسی وقت تحریفِ دین کو تسلیم کر لیتا ہے جب وہ لوگوں سے اس بنیاد پر ووٹ مانگتا ہے کہ مرد' عورت' فاسق' عادل بلکہ کافر' ایک عقلمند' نیک بخت' اور دوسرے کم عقل' کج فہم' افراد کی گواہی ایک برابر ہے۔ یہ منتخب مسلم امیدوار کی جانب سے آیاتِ الٰہیہ کی علانیہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز مخالف امیدوار کو نیچا دکھانے' شکست دینے اور میدان مار لینے کے لئے استعمال کئے جانے والے ہتھکنڈے جن میں

جھوٹ، الزام تراشی، رشوت، ہر قسم کی خیانت کا تو پوچھیئے ہی نا! ایک جمہوری طرزِ فکر کے حامل فرد کے ہاں عورت کو اسلامی مملکت کی سربراہ مقرر کرنا جائز ہے جبکہ علماءِ اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے۔ (یہ حاشیہ: صفحہ نمبر 6 سے 21 تک ہے) **اس کی پہلی دلیل سورۃ نساء کی یہ آیت ہے: ''الرّجال قوّامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علیٰ بعض ۔''** (سورۃ نساء، آیت: ۳۴) ترجمہ: **''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔''**

امام المفسرین حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''أی لأن الرجال أفضل من النساء والرجل خير من المرأة ولهذا كانت النبوة مختصة بالرجال وكذالك الملك الأعظم .....وكذا منصب القضاء وغير ذالك۔'' **''یعنی مرد عورتوں کا حاکم ہے اور مرد عورتوں سے افضل، برتر اور بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی۔ پھر حاکمیتِ عورت کی مذمت میں وارد حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ''اسی طرح منصبِ قضاء وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہے۔''**

علامہ آلوسی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں: ''أی شأنهم القيام عليهن قيام الولاة على الرعية بالأمر والنهى ونحو ذالك..... .وقد ورد أنهن ناقصات عقل ودين والرجال بعكسهن كما لا يخفىٰ ولذا خصو ابالرسالة والنبوة على الأشهر، وبالأمامة الكبريو الصغرىٰ وأقامة الشعائر كالأذان والأقامة۔'' (روح المعانی، تفسیر سورۃ النساء آیت: ۳۴)

''یعنی، مردوں کا کام اور حکم عورتوں پر ایسا ہی ہے جیسا ایک والی کا اپنی رعایا پر ہوتا ہے کہ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے'' آگے فرماتے ہیں ''حدیث میں وارد ہے کہ عورتیں ناقص عقل و دین ہیں جبکہ مرد اس کے بالکل برعکس ہیں جو کسی سے مخفی نہیں (یعنی ان کے کمالِ عقل و دین کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے) اسی لئے ان کو منصبِ رسالت و نبوت کے لئے چنا گیا، اور امامتِ کبریٰ (حکمرانی) اور صغریٰ (قضاء) اور اذان و اقامت جیسے شعائر کا قیام بھی انہی کے سپرد رہا۔ علامہ زمخشری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''أنما كانوا مسيطرين عليهن بسبب تفضيل الله بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء ،وفيه دليل علىٰ أن الولاية أنما تستحق بالفضل لا بالتغلب والأستطالة والقهر ۔وقد ذكروا فى فضل الرجال العقل والحزم والعزم والقوة والكتابة فى الغالب والفروسية والرمى ، وأن منهم الأنبياء والعلماء وفيهم الأمامة الكبرىٰ والصغرىٰ والجهاد والأذا ن والخطبة والأعتكاف وتكبيرات التشريق عند أبى حنيفةؒ والشهادة فى الحدود والقصاص وزيادة السهم والتعصب فى الميراث والحمالة والقسامة والولاية فى النكاح والطلاق والرجعة وعدد الأزواج وأليهم الأنتساب وهم أصحاب اللحىٰ والعمائم ۔'' (تفسیر الکشاف)

''مردوں کو عورتوں پر اس لئے تسلط و اقتدار حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پہ فضیلت و فوقیت دی ہے۔ نیز اس آیت میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ سربراہی فضیلت و منزلت کے باعث حاصل ہوتی ہے نہ کہ غلبہ، قہر اور طاقت سے۔ مردوں کے خاصہ میں (کہ جو ان کی فضیلت اور انہیں عورتوں سے خلقی طور پر ممتاز کرنے کا باعث بنا) عقل، دور اندیشی، پختگیٔ ارادہ، جسمانی طاقت، تحریری صلاحیت (غالباً) اور گھڑ سواری و تیر اندازی شامل ہے) اور انبیاء و علماء بھی انہی سے ہیں۔ نیز امامتِ کبریٰ (حکمرانی) و صغریٰ (منصبِ قضاء) جہاد، اذان، خطبہ، اعتکاف، تکبیراتِ تشریق (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک) حدود و قصاص میں گواہی اور غنیمت میں زیادہ حصہ، علمِ میراث میں تعصیب ''قرابت داری کا حق'' ذمہ داری محنت مشقت، قسامۃ، اور نکاح میں طلاق، رجوع، تعددِ ازواج، یہ تمام معاملات مردوں کے سپرد ہیں۔ نسب نامہ بھی مرد کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور یہی أصحاب اللحیٰ والعمائم (داڑھیوں اور عماموں) والے ہیں۔

دوسری دلیل : نبی اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارک ہے:

''لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة۔''

(صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب کتاب النبی ﷺ الیٰ کسریٰ وقیصر عن أبی بکرہؓ) **''وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کردیے۔''**

☆اب ہم زیرِ بحث مسئلہ میں کلامِ فقہاء سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں کہ مسئلہ کی (اچھی طرح) وضاحت ہوجائے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''لا یجوز أن یکون (أی القاضی)أمرأۃ لقولہ ﷺ "ماأفلح قوم أسندوا أمرھم ألی أمرأۃ"لأنہ لا بد للقاضی من مجالسۃ الرجال من الفقھاء والشھودوالخصوم والمرأۃ ممنوعۃمن مجالسۃ الرجال من الأفتتان بھا۔''

(مجموع شرح مہذب:بحث القضاء(یعنی مذکورہ رکاوٹوں کے پیشِ نظرعورت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآنہیں ہوسکتی)

''نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق عورت قاضی نہیں بن سکتی کہ:''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے کام ایک عورت کے سپرد کردے۔'' چونکہ قاضی کا مختلف قسم کے لوگوں سے میل جول رہتا ہے،جن میں فقہاء، گواہ اور فریقین شامل ہیں،جبکہ عورت کا بخشیتِ فتنہ مردوں سے اس طرح ملنا جلنا منع ہے۔

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''وجملتہ أنہ یشترط فی القاضی ثلاثۃ شروط ۔ أحدھما:الکمال ،وھو نوعان ، کمال الأحکام و کمال الخلقۃ۔أما کمال الأحکام فیعتبر فی أربعۃ أشیاء، أن یکون بالغا، عاقلا، حرا، ذکرا۔وحکی عن أبن جریرؒ أنہ لاتشترط الذکوریۃ لأن المرأۃ یجوز أن تکون مفتیۃفیجوز أن تکون قاضیۃ۔وقال أبو حنیفۃؒ :" یجوز أن تکون قاضیۃ فی غیر الحدود لأنہ یجوز أن تکون شاھدۃ فیہ"۔ولنا قول النبی ﷺ :" ماأفلحقوم ولوا أمرھم أمرأۃ۔"(اس کی تخریج گذر چکی ہے۔)

ولأن القاضی یحضرہ محافل الخصوم والرجال ویحتاج فیہ ألی کمال الرأی وتمام العقل والفطنۃ والمرأۃ ناقصۃ العقل قلیلۃ الرأی لیست أھلا للحضور فی محافل الرجال ولا تقبل شھادتھاولو کان معھا ألف أمرأۃ مثلھامالم یکن معھن رجل وقد نبہ اللہ تعالیٰ علیٰ ضلالھنّ ونسیانھنّ بقولہ تعالیٰ "أن تضلّ أحداھما فتذکّرأحداھما الأخریٰ۔"(سورۃ بقرۃ،آیت:۲۸۲)

ولا تصلح للأمامۃ العظمیٰ ولا لتولیۃالبلدان ولھذا لم یول النبی ﷺ ولا أحد من خلفاء ہ ولا من بعدھم أمرأۃ قضاء ولا ولایۃ بلد فیما بلغنا ولو جاز ذالك لم یخل منہ جمیع الزمان غالبا۔ أھ۔(المغنی :بحث القضاء)

''قاضی میں جملہ تین شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔اوّل: کمال، یہ دو طرح کا ہے۔

(۱) کمالِ احکام

(۲) کمالِ خلقت

کمالِ احکام کا اعتبار چار چیزوں میں ہوتا ہے۔

(۱) بالغ ہونا

(۲) عاقل ہونا

(۳) آزاد ہونا

(۴) مرد ہونا

ابنِ جریر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مردانگی کی شرط عائد نہیں ہوگی کیونکہ عورت کا مفتی ہونا جائز ہے تو اس کا قاضی بننا بھی جائز ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''عورت حدود کے ماسوا دیگر معاملات میں قاضی بن سکتی ہے کہ ان معاملات میں اس کی گواہی قابلِ قبول ہے۔'' ہماری دلیل نبی

اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''ماأفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة۔''

''وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔'' کیونکہ قاضی کو کچہری میں حاضر ہوکر فریقین کے مابین جھگڑوں کا تصفیہ طلب حل پیش کرنا ہوتا ہے، جہاں کمالِ فکر ورائے' دور اندیشی' اور غیر معمولی ذہانت وفطانت درکار ہوتی ہے، اور عورت چونکہ عقل اور یادداشت واظہارِ رائے میں مرد سے کمزور ہے۔ وہ مردوں کی محافل ومجالس میں شرکت کی بھی اہل نہیں، نہ اس کی گواہی قابلِ قبول ہے چاہے اس کے ساتھ ایک ہزار عورتیں کیوں نہ جمع ہوجائیں جب تک ان کے ساتھ مرد نہ ہو ان کی گواہی کسی کام کی نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی بھول چوک اور فطری کمزوری کی ان الفاظ میں تنبیہ بھی کردی: ''أن تضلّ أحداهما فتذكّر أحداهما الأخرىٰ۔'' ترجمہ: ''(یعنی ایک مرد دو عورتوں کو گواہ بنالو تاکہ) ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلادے۔'' نہ ہی عورت کسی مملکت کی سربراہ بننے کے لائق ہے نہ اسے کسی علاقے کی ولایت سونپی جاسکتی ہے۔ ہمارے ناقص علم کی حد تک نہ نبی اکرم ﷺ نے نہ آپ کے بعد خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم نے اور نہ ہی خلفاء کے بعد (قرونِ مفضلہ) کے حکمرانوں نے کسی عورت کو قضاء کا منصب سونپا نہ اسے کسی علاقے کی والی مقرر کیا) اگر یہ جائز ہوتا تو بالعموم کوئی زمانہ بھی اس سے خالی نہ رہتا۔''

امام ابی الحسن علی بن محمد ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وأما المرأة فلنقص النساء عن رتب الولايات وأن تعلق بقولهن أحكام ۔وقال أبو حنيفة يجوز أن تقضى المرأة فيما تصح فيه شهادتها ولا يجوز أن تقضى فيما لا تصح فيه شهادتها ۔وشذ أبن جريرالطبرىؒ فجوّز قضاها فى جميع الأحكام ولا أعتباربقول يرده الأجماع مع قول الله تعالىٰ :"الرجال قوّامون على النساء الخ۔" (سورۃ نساء، آیت:۳۴) يعنى فى العقل والرأى فلم يجز أن يقمن على الرجال۔'' (احكام السلطانية ،باب ششم، ولاية القضاء، صفحہ ۶۵)

''عورتیں شریعت کے جملہ احکامات کی پابند ہونے کے باوصف علاقوں کی سربراہی کی کسی طرح بھی لائق نہیں ہیں۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جن معاملات میں عورت کی گواہی قابلِ قبول ہو ان میں وہ فیصل (قاضی) بن سکتی ہے، اور جن معاملات میں اس کی گواہی کو درِ خور اعتناء نہیں سمجھا جاتا ان میں وہ حَکَم نہیں بن سکتی۔ مسئلۂ زیرِ بحث میں امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کا شاذ قول منقول ہے کہ آپ نے تمام احکاماتِ شرعیہ میں عورت کے فیصلے کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر کلامِ الٰہی اور اجماعِ علماء نے جس امر کی تردید کردی اس میں (شاذ) رائے کا کوئی اعتبار وحیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: الرّجال قوّامون على النساء۔'' ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔'' یعنی، عقل ورائے کے اعتبار سے وہ ان سے ممتاز ہیں اس لئے عورتیں مردوں پر مسلط نہیں ہوسکتیں۔''

فقہِ شیعہ اور (خوارج سے) فرقۂ اباضیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ (اہلِ تشیع سے) امام ابو القاسم نجم الدین جعفر بن حسن (متوفی، ۶۷۶ھ) قضاء کے معاملات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''يشترط فيه البلوغ وكمال العقل ولأيمان والعدالةوطهارةالمولد والعلم والذكورة، .....ولاينعقد القضاء للمرأة وأن استكملت الشرائط۔''

(شرائع الاسلام فى مسائل الحلال والحرام، ج۴، صفحہ ۶۷، ۶۸)

''(قاضی) کے جملہ شرائط میں بالغ ہونا' کمالِ عقل وایمان کا ہونا' عادل' منصف' طہارتِ فطری' عالم اور مرد ہونا ضروری ہے۔'' آگے فرماتے ہیں: ''عورت تمام شرائط کے متوفر ہونے کے بعد بھی منصبِ قضاء کی حقدار نہیں بن سکتی۔''

مذہبِ اباضیہ کے فقیہ علامہ محمد بن یوسف اطفیش فرماتے ہیں: ''وأنما شرطوا الذكورية لأن القضاء فرع الأمامة العظمىٰ وولاية المرأة للأمامة ممتنعة لقوله ﷺ "لن يفلح قوم ولوا أمرهم أمرأة۔" (اس کی تخریج گذر چکی ہے) فكذا النائب عنه لايكون أمرأة ۔ومنصب الولاية عظيم لاتليه أمرأةولا تطيقه ولوجوب ستر نفسها وزينتها فلاتليق بذالك وأجاز أبو حنيفة قضاء المرأة فى الأموال وأجازهاالطبرى مطلقا۔''

(شرح كتاب النيل وشفاء العليل ج۱۳، صفحہ ۲۳، بحث القضاء،)

''علماء نے (منصبِ قضاء) میں مرد کی شرط اس لئے عائد کی ہے کہ قضاء امامتِ عظمیٰ (حکومت) کی ہی ایک شاخ ہے۔ اور عورت کا چونکہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ اقدس کہ: ''وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوسکتی جو عورت کو اپنا سربراہ مقرر کرلے۔'' کے مطابق منصبِ امامت پر فائز ہونا محال ہے۔ اسی طرح وہ (حاکم کی) نائب بھی نہیں بن سکتی۔'' ولایت کا منصب انتہائی عظیم منصب ہے، نہ عورت اس پر فائز ہوسکتی ہے نہ ہی اس کی طاقت واستطاعت میں یہ عہدہ برآئی ممکن ہے۔ اس کے لئے اپنے نفس اور زیب وزینت کی ستر پوشی فرضِ عین ہے، جس کے باعث وہ اس عہدے کے لائق نہیں رہتی۔ البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مالی معاملات میں عورت کی قضاء کو جائز قرار دیا ہے جبکہ امام طبری رحمہ اللہ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ گذشتہ حدیثِ بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وفيه دليل علىٰ أنّ المرأة ليست من أهل الولايات ولا يحل لقوم توليتها لأن تجنب الأمر الموجب لعدم الفلاح واجب۔'' (نيل الأوطار، بحث القضاء)

''اس (حدیث) میں یہ دلیل ہے کہ عورت حکومت کی اہل نہیں اور نہ ہی کسی قوم کیلئے جائز ہے کہ وہ اسے اپنا سربراہ مقرر کرے۔ یہ (قاعدہ) ہے کہ جو امر ترقی وفلاح اور خوشحالی کی راہ میں رکاوٹ کا باعث بنے اس سے احتراز کرنا واجب ہے''۔

میں کہتا ہوں: ''امام شوکانی رحمہ اللہ کا مذکورہ قاعدہ انتہائی مستحسن قاعدہ ہے، جو حدیثِ بخاری کے ظاہر اور مفہوم دونوں اعتبار سے کلّی طور پر موافق ہے۔ نہیں تو آپ ﷺ کا یہ حکم بیان کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ نبی اکرم ﷺ نے عورت کو منصبِ وزارت سونپنے سے منع فرما کر ہمیں یہ درس دیا کہ ہم عورتوں کو سربراہ بنانے میں کافروں کی تقلید سے گریز کریں، کہ فلاح وبہبود عورت کے حکمران بننے سے نہیں آتی بلکہ عورت کی سربراہی مزید خسارے، تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اس لئے (حتی الامکان) اس سے اجتناب واحتراز واجب ہے، جیسا کہ امام شوکانی کا موقف ہے، اور حدیث میں بھی آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''لاضرر ولاضرار۔'' (ابنِ ماجه كتاب الأحكام، باب من بنىٰ فى حقه مايضر بجاره ـ عن عبادة بن الصامت رضى الله عنه۔ مذکورہ بالا حدیث کو علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ''صحیح ابنِ ماجہ'' میں صحیح کہا ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیئے علامہ موصوف کی تصنیف أرواء الغليل، حدیث نمبر ۸۹۶، اور سلسله الصحيحه، حدیث نمبر: ۲۵۰)

مذکورہ حدیث اسلام میں بنیادی قاعدہ کلّیہ کی حیثیت رکھتی۔ نبی اکرم ﷺ کے بتائے گئے اس سنہرے اصول کو ہم محض جنگِ جمل کے موقع پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی قیادت کو دلیل بنا کر کیسے ترک کرسکتے ہیں؟ درآں حالیکہ مذکورہ واقعے میں متعدد احتمالات پائے جاتے ہیں، جنہیں کمئ وقت باعث ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اس واقعہ کو صحیح تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ سورہ نساء میں مذکور آیاتِ بینات، اور (عورت کی سربراہی کی ممانعت میں) وارد حدیثِ رسول ﷺ کی صریح مخالفت ہوگی۔ (جس کی جسارت کوئی بھی سلیم العقیدہ مسلمان نہیں کرسکتا)۔

انتہائی تعجب اور حیرت جناب علامہ ظفر احمد عثمانی پہ ہوتی ہے کہ جنہوں نے اس تاریخی واقعہ کو بنیاد بنا کر عورت کے قاضی اور امیر بننے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے!۔ (دیکھیئے علامہ موصوف کی مشہور کتاب: اعلاء السنن،) اس حقیقت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ یہ محض ایک تاریخی حادثہ تھا جو بغیر کسی پلاننگ اور مشاورت کے رونما ہوا، نہ اصحابِ رسول ﷺ کی اکثریت کا اس کے جواز پر اجماع تھا، بلکہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو اس کی شدید مخالفت کی تھی، جیسا کہ ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے جنگِ جمل کے موقع پر فرمایا: ''لقد نفعنى الله بكلمة أيام الجمل لما بلغ النبى ﷺ أن فارسا ملّكوا أبنة كسرىٰ قال "لن يفلح قوم ولوا أمرهم أمرأة۔''

(صحیح بخاری، كتاب الفتن، باب الفتنة التى تموج كموج البحر،)

''جمل کے واقع میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک کلمہ سے فائدہ دیا جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہوا تھا یہ کہ آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے (بوران) کسریٰ (شیرویہ بن پرویز ہرمز) کی بیٹی کو بادشاہ بنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ قوم کبھی پنپنے والی نہیں جو ایک عورت کو اپنا حاکم بنائیں۔'' نہ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مابین اجماع ہے، نہ کوئی قرآنی آیت یا صحیح حدیثِ نبوی ﷺ اس سے متعلق وارد ہے۔ محض ایک تاریخی حادثے کو بنیاد بنا کر آیاتِ

بیّنات اور صحیح مستفیض احادیثِ رسول ﷺ کو نظر انداز کرنا علماء کا شیوہ نہیں، بلکہ یہ ان کے خلافِ شان ہے۔(۱)

(۱) شیخ سلیم اسحاق اس تاریخی واقعے کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اصل (یعنی محکم) کو چھوڑ کر (جو حدیثِ بخاری، اور سورہ نساء کی آیات ہیں) فرع (متشابہ) کا سہارا لینا کہ جو بذاتِ خود مختلف فیہ ہو۔ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جن کے دلوں میں کسی قسم کی کجی اور انحراف کی آمیزش ہوتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: '' فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تأويله ...''۔ (سورۃ آلِ عمران، آیت: ۷) ''پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے۔'' اور فرمایا: ''فلما زاغوا أزاغ الله قلوبهم۔'' (سورۃ صف، آیت: ۵) ''پس جب وہ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا۔'' اس لئے دیکھیئے تاریخِ اسلام میں رونما ہونے والے ایک نادر واقعے کہ جسے اسلام اور مسلمان نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کا کوئی حادثہ رونما ہو، (مگر تقدیر کو نی غالب آ گئی) اب تم کہتے ہو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے قائدین میں سے تھی۔! حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا صحابہ سے بعض کی رائے کی جانب مائل تھیں، اور انہی کے ساتھ وہ جنگ میں شریک ہوئیں تھیں۔ (اب سوال پیدا ہوتا ہیکہ) کیا وہ مردوں کی جانب سے قائد منتخب کی گئیں تھیں؟ اور کیا وہ جنگ کے خاتمے پر اپنے اسی منصبِ قیادت وولایت پر برقرار رہیں یا گھر میں بیٹھ گئیں کہ وہ اپنے اصل مقام اختصاص سے بخوبی آگاہ تھیں؟۔'' اھ

سوال:

عورت کی سربراہی اجماعی مسئلہ ہے یا اختلافی؟

جواب:

جو شخص بنظرِ غائر فقہاء کی آراء کا مطالعہ کرے گا اس سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہے گی کہ امامتِ کبریٰ یعنی بحیثیتِ سربراہِ مملکت عورت کو نامزد کرنے کے عدم جواز پر علماءِ اسلام کا اجماع ہے امام ابنِ عربی مالکی رحمہ اللہ بخاری کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وهذا نص في أن المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه۔'' (أحكام القرآن، سورۃ نمل، ملکہ بلقیس کے واقعہ کے تحت یہ قول مذکور ہے۔) ''یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ عورت خلیفہ نہیں بن سکتی نیز اس مسئلہ میں فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔''

امام الحرمین جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أجمعوا على أن المرأة لا يجوز أن تكون أماما وأن اختلفوا في جواز كونها قاضية فيما يجوز شهادتها فيه۔'' (نظام الحكم في الشريعة والتاريخ، از شيخ ظافر القاسمي، مبحث الخلافة، صفحہ ۳۴۲) ''علماء وفقہاء کا اجماع ہے کہ عورت اما (یعنی حاکم) نہیں بن سکتی، البتہ جن معاملات میں اس کی گواہی قابلِ قبول ہے ان میں اس کے قاضی بننے میں (فقہاء) کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے'' امام ابنِ حزم کی آئندہ عبارت میں بھی کچھ ایسا ہی اشارہ موجود ہے۔

☆عورت کے قاضی بننے میں علماء کے مابین اختلاف!۔

ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وجائز أن تلي المرأة الحكم وهو قول ابي حنيفة وقد روي عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه ولّى الشّفاء امرأة من قومه السوق، فأن قيل: قد قال رسول الله ﷺ ''لن يفلح قوم أسندوا أمرهم امرأة۔'' قلنا أنما قال ذالك رسول الله ﷺ في الأمر العام الذي هو الخلافة۔ برهان ذالك قوله ﷺ ''المرأة راعية على مال زوجها وهي مسئولة عن رعيتها۔'' (صحیح بخاری، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''المرأة راعية في بيت زوجها ومسئولة عن رعيتها۔''، مصنف عبدالرزاق، باب الأمام راع۔) وقد أجاز المالكيون أن تكون وصية ووكيلة ولم يأت نص من منعها أن تلي بعض الأمور۔''

(محلّٰی، ج۱۰،صفحہ۶۳۱، کتاب الشهادات مسألہ نمبر:۱۸۰۴،)

''عورت منصبِ قضاء پر فائز ہوسکتی ہے۔یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی شفاء نامی عورت کو بازار کی سربراہ مقرر کیا تھا۔''(اس روایت پر ابنِ عربی رحمہ اللہ کی نقد وجرح چند سطور کے بعد ملاحظہ فرمایئے)اگر ازراہِ اعتراض کہا جائے کہ نبی ﷺ کا تو فرمانِ مبارک ہے:''لن یفلح قوم أسندوا أمرهم امرأة ۔''تو ہم جواباً کہیں گے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان عمومی حکومت (یعنی خلافت) سے متعلق تھا۔اس تخصیص کی دلیل (دوسرے مقام پر) آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:''عورت اپنے خاوند کے مال کی محافظ ہے اس سے اس کی رعیت کی پوچھ ہوگی۔''نیز مالکی فقہاء عورت کے وکیل اور وصی بننے کے جواز کے قائل ہیں۔اور اس قسم کی کوئی خاص نص بھی وارد نہیں جس میں عورت کو بعض ذیلی امور کی نگران اور ذمہ دار بننے سے منع کیا گیا ہو۔''

عورت کے قاضی بننے کے جواز کا فتویٰ امام ابوحنیفہؒ، امام ابنِ حزمؒ اور امام محمد بن جریر الطبریؒ سے منقول ہے، جیسا کہ کتبِ فقہاء میں مشہور ہے۔لیکن امام ابنِ عربی مالکی رحمہ اللہ ابنِ جریر الطبریؒ کی نسبت اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''ونقل عن محمد بن جرير الطبريؒ أمام الدين أنه يجوز أن تكون المرأة قاضية ولم يصح ذالك عنه ولعله كما نقل عن أبى حنيفةؒ أنها أنما تقضى فيما تشهد بهِ وليس بأن تكون قاضية على الأطلاق، ولا بأن يكتب لها منشور بأن فلانة مقدمة على الحكم الّا فى الدماء والنكاح وأنما ذالك كسبيل التحكيم أوالاستبانة فى القضية الواحدة بدليل قوله ﷺ "لن يفلح قوم ولوا أمرهم أمرأة ۔" وهذا هو الظن بأبى حنيفةؒ وابن جريرؒ، وقد روى أن عمر قدم أمرأة على حسبةالسوق ولم يصح فلا تلتفتوا أليه فأنما هو من دسائس المبتدعة فى الأحاديث۔'' اھ۔

(أحكام القرآن،سورۃ نمل،تحت قصۃ ملکۃ بلقیس، ج۳،صفحہ۱۴۴۵)

''امام ابنِ جریر الطبریؒ سے عورت کی منصبِ قضاء پر تعیناتی کے مطلقاً جواز کا فتویٰ منسوب ہے یہ نسبت صحیح نہیں، نہ ان سے اس قسم کی کوئی بات ثابت ہے۔ممکن ہے ان کا وہی موقف ہو جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے کہ عورت کی منصبِ قضاء پر تعیناتی اس کی گواہی سے مشروط ہے، مگر اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ مطلقاً عورت کے قاضی بننے کے جواز کے قائل ہیں، نہ اس سے یہ مراد ہے کہ عورت کے لئے ایک عام اعلان نامہ لکھا جائے کہ فلاں فلاں عورت منصبِ قضاء پر تعینات کی گئی ہے۔الّا چند خونی معاملات اور نکاح وغیرہ (اور عورتوں سے مخصوص کسی مسئلہ) میں بطورِ تحکیم یا پھر مسئلہ کے ہمہ پہلو حقائق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس کو وقتی طور پر کوئی ذمہ داری سونپ دی جائے۔نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے''وہ قوم فلاح نہیں پاسکتی جو اپنے امور عورت کے سپرد کردے۔''امام ابنِ جریر طبریؒ اور امام ابوحنیفہ سے بھی یہی گمان ہے (وہ حدیثِ رسول ﷺ کی مخالفت نہیں کرسکتے)، عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو بازار کی محتسب مقرر کیا تھا، یہ روایت صحیح نہیں۔اس کی جانب توجہ بھی نہ کرنا کہ یہ احادیث میں اہلِ بدعت کی دسیسہ کاریاں ہیں۔''

علامہ ظفر احمد عثمانی ابوبکر ابنِ عربی کی مذکورہ عبارت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''وهذا توجيه حسن لمذهب أبى حنيفة وابن جرير رحمهماالله۔''

''ابوحنیفہ اور ابنِ جریرؒ کے مسلک کی یہ انتہائی مناسب، بہتر اور احسن توجیہ ہے۔''

(أعلاء السنن ، كتاب القضاء ، باب فى تقسيم قضاء القاضى ج۱۵،صفحہ:۳۱۔علامہ موصوف نے اس مسئلہ میں نہایت مفصل بحث کی ہے جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عورت کی قضاء واُمارت کے جواز کے قائل ہیں۔مگر یہ قول مرجوح ہے جیسا کہ (مندرجہ بالا عبارات) سے واضح ہے۔واللہ اعلم)

مشہور مفسرِ قرآن صاحب اضواء البیان علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کی عبارت بھی ابوبکر بن عربیؒ کی مذکورہ عبارت سے مشابہ ہے۔آپ لکھتے ہیں:''لعل كل مانسب ألىٰ هؤلاء الأعلام لم تصح نسبته أليهم لرسوخ أقدام القوم وأن لهم اليدالطولىٰ فى العلم وألّا فكيف يصح أن

یقول مثل ھؤلاء بجواز تولیة المرأة فی الأسلام والرسول یقول" لن یفلح قوم ولوا أمرھم أمرأة ۔" ''شاید کہ ان نامورائمہ کی طرف جو کچھ منسوب کیا گیا ہو وہ فی الواقع درست نہ ہو کیونکہ یہ مسلمانوں کے راسخ العلم امام ہیں اور شریعت میں ان کی مہارت معروف ہے۔ وگرنہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ اسلام میں عورت کی ولایت کے بارے میں موقف اپنائیں جبکہ نبی کریم ﷺ تو یہ فرمارہے ہوں کہ ''وہ قوم فلاح نہیں پائے گی جس کی ذمہ داری ایک عورت کے ہاتھ میں ہو۔''(مواھب الجلیل من أئمة الخلیل ، ماخوذ از، ماہنامہ محدّث، جمادی الأ ولیٰ ۱۴۲۶ھ بمطابق جون ۲۰۰۵ء، جلد ۳۷، شمارہ ۶۔)

(۱) اس سے تقریباً ۱۹۹۴ء کا سال مراد ہے جس میں یہ مقالہ لکھا جارہا تھا۔

(۲) مولانا موصوف سابق وزیرِ اعلیٰ سرحد جناب شیخ مفتی محمود کے بیٹے ہیں۔ (حاشیہ ختم ہوا)

عورت عقل اور دین دونوں اعتبار سے ناقص ہے اس کے باوصف عصرِ رواں میں متعدد اسلامی ممالک عورت کو بحیثیت سربراہِ مملکت منتخب کرنے کے فتنے سے دوچار ہو چکے ہیں اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ آیا وہ عورت مسلمان ہے یا کافر۔ بلکہ رواں سال

(۱) ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک فلمی ایکٹر (مسرت شاہین)

(۲) مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں انتخاب لڑ رہی ہے۔

انہی عام انتخابات سے کچھ عرصہ قبل پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے علاقے میں ایک معروف خواجہ سرائے کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ جمہوری نظام تمام انسانوں کے لئے وسیع نظریہ رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت ایسا بودا نظام جو اچھے اور برے میں تمیز نہیں کرسکتا۔

بقولِ اقبال ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کاری شد
کہ از مغز دو صد خر فکر یک انسان نمی آید

کہ ایک مجرب حکیم کی بات مانتے ہوئے جمہوریت سے کوسوں دور بھاگو، انسانی فکر رکھنے والے ایک فرد کے سامنے دوسو گدھوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

جمہوریت کی بنیاد محض اکثریت پر رکھی گئی ہے نہ کہ دلیل و برہان اور فطرتِ سلیمہ پر۔ جیسا کہ اسلام کی بنیاد اگرچہ وحیِ سماوی پر رکھی گئی ہے لیکن وہ انسانی فطرتِ سلیمہ، طہارت و پاکیزگی کے اعلیٰ معیار کے مطابق نازل ہوا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم نے بارہا متعدد مقامات پر سوچنے ،غور وفکر کرنے، فہم وتدبّر کو بروئے کار لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''أن فی ذالک لأیات لقوم یعقلون ۔'' (سورۃ رعد، آیت:۴) ''اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں ۔''یتفکرون '' (سورۃ رعد، آیت:۳)

''یقیناً غور وفکر کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' '' لأولی الألباب '' (سورۃ أنعام، آیت:۱۱۶) ''یقیناً عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' یہ تمام نشانیاں یقین کرنے والوں پختہ ایمان رکھنے والوں کے لئے ہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر اکثریت کی مذمت کی اور ان پر اعتماد کرنے سے منع فرمایا ارشادِ باریٰ تعالیٰ ہے: ''وأن تطع أکثر من فی الأرض یضلوک عن سبیل اللہ ۔'' (سورۃ روم، آیت:۳۰)

ترجمہ: ''اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں گے۔''

اکثریت کی گمراہی اور بے راہ روی کی علّت (سبب) یہ بتائی گئی کہ: ''ولکنّ أکثر الناس لا یعلمون '' (سورۃ آلِ عمران: آیت:۱۹۰) ''لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔'' جمہوریت محض جاہل گمراہ لوگوں کی راہ نما' کج فہم اور مقلّدین کا راستہ ہے۔

نیک سیرت کے حامل علماءِ کرام کی پارلیمنٹ کی نمائندگی عوام الناس کی بھاری اکثریت کے عقائدِ سلیمہ کو بگاڑنے کا باعث بنتی ہے۔لوگ اس چیز کو بطورِ حجت پیش کرتے ہیں کہ اگر جمہوری نظام اسلام سے متصادم ہے تو پھر ہمارے علماءِ کرام ان انتخابات میں شرکت کیوں کرتے ہیں؟۔لوگ اضطرار واِ کراہ جیسی موشگافیوں سے نابلد ہوتے ہیں نہ ہی ان سادہ لوح عوام کو وقتی اور جزوقتی مصلحتوں، اوراعذار سے کچھ واقفیت ہوتی ہے۔اگرچہ اسمبلیوں میں شریک اسلامی نمائندگان کی جانب سے پیش کردہ اعذار محض جزوی مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔جو(بعد میں) اساسیاتِ اسلام سے توحید، حلال وحرام کے احکام اوراخلاقِ حمیدہ، اوصافِ جمیلہ کوکلّی طور خیر باد کہنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ایسے افراد کیلئے بعض امور کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جو تعصب وعناد سے پہلوتہی اختیار کرتے ہوئے، اپنے اکابرین کی تقلید کو ٹھوکر مارتے ہوئے مسئلہ کو سمجھنے کی خواہش رکھتے ہوں۔

میں مذکورہ سوالات کے جواب میں کہتا ہوں کہ، پارلیمنٹ کی رکنیت قبول کرنا جائز نہیں جہاں تک جمہوری نظام کے ماتحت سرکاری عہدوں کے قبول کا تعلق ہے تو یہ چند ناگزیر وجوہات کے پیشِ نظر مخصوص افراد کے لئے (قیودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے) چند مخصوص عہدوں پر فائز ہونا جائز ہے۔دونوں کے مابین (یعنی پارلیمنٹ کی رکنیت اور عام سرکاری عہدہ) فرق یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ کفری نظام میں بحیثیت رکن شمولیت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔**(حاشیہ: شیخ محترم کے اسلام کلام سے مراد یہ ہے اگر کوئی شخص سرکاری عہدہ اس بنیاد پر حاصل کرتا ہے کہ اس سے اُس شخصی عقائد دینِ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچتی۔تو اس کی حیثیت ایک عام ملازمت کی سی ہے جو آپ ایک کافر کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔مگر جو شخص بذریعہ انتخابات منتخب ہوکر پارلیمنٹ میں جاتا ہے وہ کفری نظام کا ایک رکن اور جزو بن جاتا ہے۔لہذا وضعی قوانین کو بروئے کار لاتے ہوئے پارلیمنٹ جو بھی غیر اسلامی فیصلے صادر کرے گی اس منتخب رکن کا اس میں برابر کا حصہ ہوگا۔)**

بالخصوص ایسے افراد کیلئے جن کا شمار اہلِ علم وصلاح سے ہوتا ہو اور جو عوام کے لئے ایک مقتدا وپیشوا کی حیثیت رکھتے ہوں۔کیونکہ پارلیمنٹ میں شرکت عملی طور پر کفری نظام کو مستحکم کرنے، اس نظام کے کارندوں کی ایک طرح سے حوصلہ افزائی کرنے، اوراس نظام کے دائرہ کار کو مزید فعّال بنانے کے مترادف ہے۔**(حاشیہ: جبکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ولا تعاونوا علی الأثم والعدوان ۔'' (سورۃ مائدہ، آیت:۲) ''گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔'')**

اس پر تماشا یہ کہ یہی رکنیت مومن کے دل میں توحیدِ حاکمیت کی اہمیت کم کرنے، یا کلّیۃً اسے ختم کرنے، اہلِ کفر کے ساتھ محبت والفت کو فروغ دینے کا باعث بنتی ہے۔جن سے پر تماشا یہ کہ یہی رکنیت مومن کے دل میں توحیدِ حاکمیت کی اہمیت کم کرنے، یا کلّیۃً اسے ختم کرنے، اہلِ کفر کے ساتھ محبت والفت کو فروغ دینے کا باعث بنتی ہے۔جن سے متعلق رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''قد كانت لكم أسوة حسنة فی أبراهيم اس والذين معه أذقالوا لقومهم أنّا برآئو منكم وممّا تعبدون من دون الله ، كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء أبداً حتّیٰ تؤمنوا بالله وحده ۔'' (سورۃ ممتحنۃ، آیت:۴)

ترجمہ: ''(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ۔''

جمہوری نظام کی رکنیت طرح طرح کی برائیوں، فحاشی، بے حیائی اور منکرات کے لامتناہی سلسلے کی ترویج کا سبب بنتی ہے۔اوراگر منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو جمہوری ڈھانچے کا مدد ومعاون بننے کے فوائد انتہائی کم جبکہ اس کے نقصانات بیش بہا ہیں۔جیسے شراب نوشی میں فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی مگر اس کا نقصان فائدے پر بہت بھاری ہے۔حالانکہ شراب کا نقصان تو محض وقتی طور پر جزوی لحاظ سے انسان کے بدن اوراس کی عقل کو متاثر کرتا ہے، جمہوری نظام کے نقصانات تو صدیوں کا روغ بن جاتے ہیں۔

فرمانِ باریٰ تعالیٰ ہے:

''ولا ترکنوا ألی الذین ظلموا فتمسکم النار ، ومالکم من دون اللہ من أولیاء ثمّ لاتنصرون۔'' (سورۃ ھود آیت:۱۱۳)

''دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ) کی آگ لگ جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور تمہارا مددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔''

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں جب سے ہم نے جمہوریت کو گلے لگایا ہے تب سے ہم زوال پذیر، مغلوب اور سرنگوں ہو کر رہ گئے ہیں ۔ذرا دیکھو ہمارے ان جمہوری ملکوں کی حالتِ زار یہاں مسلمان اگر بھاری اکثریت سے کامیابی بھی حاصل کر لیں پھر بھی وہ (ہر میدان میں) شکست خوردہ، ذلیل و رسوا ہیں۔ جزائر کی جیتی جاگتی مثال ہمارے سامنے ہے اس کی حالتِ زار پر ذرا نظر ڈالو! (عبرت حاصل کرو گے) یقیناً نفاذِ اسلام کے لئے اگر غیر اسلامی راہ اپنائی جائے گی تو ہمارا مقدر صرف قتل و غارت، ذلت اور رسوا کن عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

اے ہمارے رب ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کی۔''

آمین

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان